غزہ جنگ پر سراپا احتجاج طلبا

انسان بنے رہنے کے لیے انسان پیدا ہونا کافی نہیں ہے، اپنے جیسے انسانوں کا درد محسوس کرنا، ان کے خلاف ناانصافی پر آواز اٹھانا ضروری ہے، پوری طاقت سے یہ کہنا ضروری ہے کہ جنگ انسانیت کے حق میں نہیں ہے، اس لیے جنگ نہیں ہونی چاہیے اور جنگ اگر ہو رہی ہے تو اسے جلد از جلد ختم کرانا چاہیے۔ انسانوں کے دیکھنے کے دو پیمانے نہیں ہیں۔ اسی لیے یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کہ روس کا یوکرین کے خلاف جنگ جاری رکھنا غلط ہے لیکن اسرائیل کا غزہ کے خلاف جنگ جاری رکھنا ٹھیک ہے، یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کہ یوکرین میں جو لوگ مارے جا رہے ہیں، وہ انسان ہیں، ان کی زندگی کی اہمیت ہے اور غزہ میں اسرائیل کی بمباری جن لوگوں کی جاں تلفی کی وجہ بن رہی ہے، ان کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اسی لیے امریکہ اور یوروپی ممالک کے طلبا فلسطینیوں کے حق میں اور غزہ جنگ کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔ ان کے مظاہروں نے پھر یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم مذہب لوگوں کو ہی ایک دوسرے سے ہمدردی ہو، ہمدردی محسوس کرنے کے لیے پہلے خود کو انسان محسوس کرنا ضروری ہے، پھر انسانوں کی طرح جذبات کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ یوروپی ممالک اور امریکہ کے طلبا فلسطینیوں کے لیے ہمدردی کا اظہار اسی لیے کر پا رہے ہیں کہ وہ انسان ہیں اور انسان کی طرح جینا چاہتے ہیں اور انسان کی طرح جینا تب تک ممکن نہیں جب تک دوسروں کو بھی انسان نہ سمجھا جائے لیکن مسلم ممالک میں اہل غزہ کے حق میں، انصاف کے لیے یا خود کو انسانیت کا حامی بتانے کے لیے طلبا کی آواز اسی طرح کہیں نظر نہیں آ رہی ہے جیسے امریکہ اور یوروپی ممالک میں نظر آ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہاں کے طلبا مردہ ضمیر ہیں، وہ اہل غزہ کا درد محسوس نہیں کرتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر مسلم ممالک آمرانہ ممالک ہیں۔ وہاں کے حکمرانوں کا جمہوریت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اہل غزہ کے لیے ان کے ملک کے لوگ احتجاج کریں اور اپنی طاقت کو محسوس کریں، کیونکہ وہ اگر اپنی طاقت کو محسوس کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بات ان کے مستقبل کو تاریک بنا دے گی۔ ایسی صورت میں وہاں طلبا کے لیے احتجاج کرنا آسان نہیں، البتہ امریکہ اور بیشتر یوروپی ممالک جمہوری ممالک ہیں اور تمام شکایتوں کے باوجود اس بات کے لیے وہاں کے لیڈروں کی تعریف کرنی ہوگی کہ انہوں نے اپنے یہاں جمہوریت کو زندہ کر رکھا ہے۔ اسی لیے طلبا احتجاج کر پا رہے ہیں۔ سوال کرنے والے لوگ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ طلبا کے احتجاج کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ غزہ جنگ تو ختم نہیں ہو رہی، فلسطینیوں کی شہادتوں کا سلسلہ تو جاری ہے؟ مگر احتجاج سے اگر کچھ ہوتا نہیں تو طلبا گرفتار نہیں کیے جاتے، ان کی حمایت میں نئے طلبا احتجاج کرنے پر مجبور نہیں ہوتے، ان کے احتجاج کی خبریں نہیں بنتیں۔ وہ اگر احتجاج نہیں کرتے تو ممکن ہے، پورا غزہ ہی اب تک قبرستان میں بدل دیا گیا ہوتا، جتنے فلسطینی اب تک شہید ہوئے ہیں، اس سے کئی گنا زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے ہوتے، اس لیے غزہ کی جنگ کے خلاف ہونے والے احتجاج نے یہ بات بڑی حد تک واضح کر دی ہے کہ مذہب کی باتیں چاہے جتنی کی جائیں، انسانیت کو خطرے میں دیکھ کر ظلم کے خلاف احتجاج کرنا انسان ہونے کی اصل پہچان ہے اور غزہ کے فلسطینیوں کو انسانوں کی ضرورت ہے، مذہب کی آڑ میں سیاست کرنے والوں کی نہیں، بات بات پر اسلام مسلمان کہنے والوں کی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ امریکہ اور بیشتر یوروپی ملکوں کے لیڈروں نے غزہ جنگ پر مذموم رخ اختیار کر کے اپنے ملکوں کی شبیہ مسخ کی تھی مگر طلبا نے اہل غزہ کے حق میں احتجاج کر کے ان ملکوں کی عزت بڑھا دی ہے۔ اس ہفتے کا 'دستاویز' اہل غزہ کے حق میں اور جنگ کے خلاف طلبا کے احتجاج پر مبنی ہے:

مسلمانوں کو نہیں ہے فلسطینیوں کی بہت زیادہ فکر!

مشہور تجزیہ کار قمر آغا کا کہنا ہے کہ 'حیرت اس بات پر ہے کہ ایک طرف غیر مسلم ممالک میں فلسطینیوں سے ہمدردی کا اظہار غزہ جنگ کے خلاف مظاہروں کی شکل میں نظر آ رہا ہے وہیں مسلم ممالک، بالخصوص عرب ممالک میں فلسطینیوں کے حق میں یا غزہ جنگ ختم کرانے کے لیے مظاہرے نہیں ہو رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے، مسلمانوں کو فلسطینیوں کی بہت زیادہ فکر نہیں ہے۔'

مستقبل قریب میں غزہ جنگ کے ختم ہونے کے امکانات نظر نہیں آ رہے ہیں جبکہ دوسری طرف جنگ ختم کرانے کے لیے امریکہ اور یوروپ کے بڑے شہروں میں امن پسند لوگوں کے احتجاج کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے۔ امریکہ کی کئی بڑی یونیورسٹیوں میں طلبا جنگ ختم کرانے کے لیے اور فلسطینیوں کے حق میں مظاہرے کر رہے ہیں۔ طلبا کے بڑے مظاہرے تو کیا، چھوٹے مظاہرے بھی غزہ کے پڑوسی عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں نظر نہیں آ رہے ہیں، اس لیے اس سوال کا اٹھنا فطری ہے کہ پھر امریکہ اور یوروپ میں طلبا کیوں احتجاج کر رہے ہیں؟ اس سلسلے میں ہم نے عالمی امور کے ماہر قمر آغا سے، جو Qamar Agha نام سے یوٹیوب چینل چلاتے ہیں اور انہیں سنجیدہ لوگ سنتے ہیں، گفتگو کی۔ قمر آغا کا کہنا ہے کہ 'دیکھئے، امریکہ میں پہلے بھی طلبا کے مظاہرے ہوتے رہے ہیں۔ ویتنام جنگ کے وقت تو طلبا کے بڑے بڑے مظاہرے ہوا کرتے تھے۔ یہ بات الگ ہے کہ یہ جنگ براہ راست امریکہ لڑ رہا تھا، اس میں امریکیوں کی جانیں جا رہی تھیں جبکہ غزہ جنگ اسرائیل لڑ رہا ہے جو مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا سب سے مضبوط اتحادی ہے، امریکی ہمیشہ سے اس کے تئیں قربت کا اظہار کرتے رہے ہیں، وہ یہ کہتے رہے ہیں کہ عرب ممالک آمرانہ ریاستیں ہیں، مشرق وسطیٰ میں تو ایک جمہوری ملک اسرائیل ہی ہے مگر وہی اسرائیل غزہ جنگ میں جو کر رہا ہے، اس سے اس کے بارے میں عوامی آرا بدل رہی ہیں۔ غزہ جنگ میں جس طرح کی قتل و غارت گری ہو رہی ہے، وہ امن پسند لوگوں کے لیے باعث حیرت ہے۔ غزہ میں ہو رہی قتل و غارت گری نے امن پسند لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، وہ بہت مجروح ہیں، ان میں بڑا غصہ ہے۔ اسی لیے لندن میں 10 لاکھ لوگوں نے فلسطینیوں کے حق میں مظاہرے کیے، یوروپ کے دیگر ملکوں کے اور امریکہ کے تقریباً ہر بڑے شہر میں غزہ جنگ ختم کرانے کے لیے مظاہرے ہو رہے ہیں، طلبا کیمپس میں مظاہرے کر رہے ہیں، گرفتار ہو رہے ہیں لیکن انہیں اپنی گرفتاری سے زیادہ غزہ کے مظلوم فلسطینیوں کی فکر ہے، فلسطینیوں سے انہیں ہمدردی ہے۔'

قمر آغا کے مطابق، 'دراصل امریکہ کی روایتی پالیسی ناکام ہو چکی ہے۔ وہ بہت زیادہ عسکری ہو چکی ہے لیکن فوج کے ذریعے مسئلوں کے مستقل حل نہیں نکالے جا سکتے۔ امریکہ نے افغان مسئلے کا حل فوجی طاقت سے نکالنے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی ملی۔ عراق کے خلاف اس نے جنگ کی۔ وہاں سے اسے جانا پڑا۔ لیبیا میں کرنل قذافی کو ہٹایا مگر وہ خانہ جنگی کی آگ میں جھلس رہا ہے۔ طلبا یہ سب سمجھ رہے ہیں، وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ غزہ میں لوگ مر رہے ہیں۔ مرنے والوں میں سب سے بڑی تعداد بچوں کی ہے، خواتین کی ہے مگر غزہ جنگ سے امریکہ کا نہیں، ہتھیار کے سوداگروں کا فائدہ ہو رہا ہے۔ اسی لیے جہاں اسرائیل کی پالیسی یہ ہے کہ پورا فلسطین اس کا ہے وہیں امن پسند طلبا کا کہنا ہے کہ پورا فلسطین فلسطینیوں کا ہے اور ان کا حق انہیں دیا جانا چاہیے۔'

مشہور تجزیہ کار قمر آغا کا کہنا ہے کہ 'حیرت اس بات پر ہے کہ ایک طرف غیر مسلم ممالک میں فلسطینیوں سے ہمدردی کا اظہار غزہ جنگ کے خلاف مظاہروں کی شکل میں نظر آ رہا ہے وہیں مسلم ممالک، بالخصوص عرب ممالک میں فلسطینیوں کے حق میں یا غزہ جنگ ختم کرانے کے لیے مظاہرے نہیں ہو رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے، مسلمانوں کو فلسطینیوں کی بہت زیادہ فکر نہیں ہے۔ ویسے عرب ممالک انتہائی کمزور ہیں۔ جن چند ملکوں کے پاس مضبوط فوجی طاقت تھی، انہیں یا تو ختم کر دیا گیا ہے یا وہ اسرائیل کے دوست بن گئے ہیں۔ عراق کے پاس مضبوط فوجی طاقت تھی۔ جنگوں نے اس کی فوجی طاقت ختم کر دی۔ شام کے پاس فوجی طاقت تھی، اسے خانہ جنگی میں الجھا دیا گیا، وہاں مسلمان ہی مسلمان کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ سوڈان کے پاس بڑی فوجی طاقت تھی۔ وہاں کے فوجی آپس میں ہی لڑ رہے ہیں۔ مصر کے پاس فوجی طاقت ہے، اس نے اسرائیل سے دوستی کر لی۔ اردن کے پاس کچھ فوجی طاقت ہے، وہ بھی اسرائیل کا دوست ہے۔ ان ممالک کے لیڈران فلسطینیوں کی حمایت میں بیانات بڑے بڑے دیتے ہیں مگر ان کی فلاح کے لیے کام چھوٹے چھوٹے بھی نہیں کرتے۔'

قمر آغا کے مطابق، 'امن پسند، ذی شعور اور بدلتے حالات کو سمجھنے والے ان امریکی اور یوروپی طلبا کو اسرائیلی حکومت کی چاہتوں اور اہل غزہ کی مجبوریوں کا احساس ہے۔ اسی لیے وہ فلسطینیوں کے حق میں سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں۔ وہ مظاہرہ کر کے اپنی انسانیت کا اظہار کر رہے ہیں مگر ٹھیک اسی وقت مسلم دنیا خاموش ہے۔'

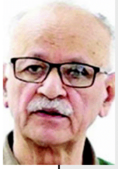

عالمی امور کے ماہر قمر آغا کے مطابق، 'امریکہ میں یہ صدارتی انتخابات کا سال ہے۔ بائیڈن کے لیے اسی لیے غزہ جنگ مشکلات کا سبب ہے، اسی لیے وہ 40 دنوں کی جنگ بندی چاہتے ہیں، ورنہ کسی کو فلسطینیوں سے ہمدردی نہیں۔ اسرائیل بھی جنگ بندی نہیں چاہتا۔ اسرائیلی حکومت گریٹر اسرائیل بنانے کے خواب کو پورا کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لیے مغربی کنارہ مقدس مذہبی جگہ ہے، بیت المقدس اسرائیل کا متحدہ دارالحکومت ہے اور غزہ محل وقوع کی وجہ سے اہم ہے۔ غزہ بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے۔ یہ بحیرۂ روم کے کنارے ہے۔ بحیرۂ اسود اس سے نزدیک ہے۔ یوروپی ممالک اس سے نزدیک ہیں۔ اس پر قبضے کا مطلب یہ ہوگا کہ یوروپی ممالک تک اسرائیل کی رسائی آسان ہو جائے گی۔ غزہ کے علاقے میں تیل وافر مقدار میں ہے۔ اس تیل پر بھی اسرائیل کی نظر ہے، اس لیے جنگ بندی کے لیے ہونے والے مذاکرات کی کامیابی کے سلسلے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ...امن پسند، ذی شعور اور بدلتے حالات کو سمجھنے والے ان امریکی اور یوروپی طلبا کو اسرائیلی حکومت کی چاہتوں اور اہل غزہ کی مجبوریوں کا احساس ہے۔ اسی لیے وہ فلسطینیوں کے حق میں سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں۔ وہ مظاہرہ کر کے اپنی انسانیت کا اظہار کر رہے ہیں مگر ٹھیک اسی وقت مسلم دنیا خاموش ہے۔' ■

(نمائندہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، خاور حسن سے گفتگو پر مبنی)

LIFT THE SIEGE ON GAZA NOW!
FREE PALESTINE END THE OCCUPATION NOW!
TDOWN4PALESTINE
END ALL US AID ISRAEL

خون کی پیاس ابھی بجھی نہیں!

چھوٹے تنازعات کے بڑے تنازعات میں بدلنے کے اندیشے ہمیشہ رہتے ہیں، بڑے تنازعات کے جنگ میں بدلنے کے اندیشے ہمیشہ رہتے ہیں مگر جنگ اگر ایک بار شروع ہو جائے تو وہ آسانی سے ختم نہیں ہوتی ہے۔ اس کی نذر کتنے بھی انسان ہو جائیں، خون کی اس کی پیاس بجھتی نہیں ہے۔ اسی لیے عقلمند لیڈران نفع نقصان، عزت ذلت کی پروا کیے بغیر جنگ ختم کرنے کی پیش رفت کرتے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت کون ایسا لیڈر ہے جو غزہ جنگ ختم کرنے کے لیے پیش رفت کرے گا، اسرائیل اور حماس دونوں کو اس کے لیے تیار کرے گا کہ وہ جنگ ختم کریں، یہ معلوم نہیں۔ صدارتی سال ہونے اور امریکہ میں بڑے پیمانے پر احتجاج ہونے کی وجہ سے جو بائیڈن جز وقتی جنگ بندی کے لیے کوشاں رہے ہیں، ورنہ غزہ میں مرنے والوں پر ان کا درد بھی کبھی چھلکا نہیں ہے۔ ظاہر سی بات ہے، اگر وہ امریکیوں کے علاوہ بھی ہر جگہ کے لوگوں کو انسان سمجھ کر ان سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگیں گے تو امریکہ کے ہتھیاروں کے کاروبار کو کیسے چلا پائیں گے اور یہ کاروبار ٹھپ پڑ جائے گا تو پھر امریکہ کی طاقت کا کیا ہوگا، اس کی اقتصادی حالت کیسی رہے گی؟ مگر غزہ جنگ باعث تشویش اس لیے ہے کہ فلسطینی بھی انسان ہیں۔ ان کی زندگی کی اہمیت بھلے ہی کسی کے لیے نہ ہو مگر وہ بھی اسی رب کائنات کے بنائے ہوئے ہیں جس نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل کہا ہے۔ کیا فلسطینیوں کے قتل پر رب کائنات کا جلال جوش میں نہیں آئے گا؟

غزہ جنگ باعث تشویش اس لیے ہے کہ فلسطینی بھی انسان ہیں۔ ان کی زندگی کی اہمیت بھلے ہی کسی کے لیے نہ ہو مگر وہ بھی اسی رب کائنات کے بنائے ہوئے ہیں جس نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل کہا ہے۔ کیا فلسطینیوں کے قتل پر رب کائنات کا جلال جوش میں نہیں آئے گا؟

امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کو اسرائیل کی فکر ہے۔ مسلم ممالک کو امریکہ کی طاقت کا خیال ہے یا اسرائیل سے دوستی کی چاہت ہے اور یہ دونوں ہی باتیں ایسی ہیں جو عملی احتجاج سے روکتی ہیں، البتہ ان کے لیڈران زبانی احتجاج سے کام چلاتے رہے ہیں اور امید کی جانی چاہیے کہ آئندہ بھی وہ ایسا کرتے رہیں گے۔ آخر انہیں علاقائی برتری کے لیے اپنی طاقت کا بھرم رکھنا ہے۔ اسی لیے غزہ کے فلسطینیوں کی شہادت انہیں بے چین نہیں کرتی ہے۔ روزانہ نئی تعداد آتی ہے، خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ مرنے والے فلسطینیوں کی تعداد کتنی ہوگئی۔ اب تک 34,789 سے زیادہ فلسطینی شہید کیے جا چکے ہیں۔ زخمی ہونے والے فلسطینیوں کی تعداد 78,204 سے زیادہ ہے جبکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ اب تک جو 10,000 سے زیادہ فلسطینی غائب ہوئے ہیں، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے، وہ زندہ ہیں یا کبھی ان کی اجتماعی قبریں دریافت کی جائیں گی۔ ■

حماس نے چل دی الٹی چال

اسرائیل کے ساتھ اب کئی ممالک اس طرح نہیں کھڑے ہیں جیسے 7 اکتوبر، 2023 کے حملوں کے بعد کھڑے ہوئے تھے۔ امریکی لیڈران بھی اسرائیل کی حمایت اس طرح نہیں کر پا رہے ہیں جیسے چند مہینے پہلے تک کر رہے تھے۔ انہیں یہ اندازہ ہے کہ غزہ جنگ کی وجہ سے امریکہ کی شبیہ مسخ ہوئی ہے۔ خود اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نیتن یاہو بھی بدلتے حالات سے بے خبر نہیں ہیں۔ یہ اندازہ انہیں بھی ہے کہ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں، حماس حماس کی رٹ لگا کر بہت دنوں تک غزہ جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی، بیرون اسرائیل میں غزہ جنگ ختم کرنے کے لیے مظاہرے ہو رہے ہیں، دنیا کی کئی یونیورسٹیوں میں غزہ جنگ کے خلاف اور فلسطینیوں کے حق میں طلبا گرفتاریوں کی پروا کیے بغیر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں تو اندرون اسرائیل یرغمالیوں کی رہائی کے لیے دباؤ بڑھ رہا ہے، اسرائیلیوں کی ایک بڑی تعداد یہ نہیں چاہتی کہ غزہ جنگ کی توسیع ہو، وہ یہ چاہتی ہے کہ یرغمالیوں کو آزاد کرایا جائے۔ اسی لیے یاہو بار بار مذاکرات کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ حماس ہی ہے جس کی وجہ سے مذاکرات کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں، اسرائیل کو مجبوری میں جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ حال ہی میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ہوئے مذاکرات کے بارے میں بھی بنیامن نیتن یاہو نے غالباً یہی سوچا تھا لیکن حماس نے ایک الگ قسم کا رخ اختیار کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی ہے کہ جنگ ختم کیوں نہیں ہو پا رہی ہے؟ جنگ کو جاری رکھنے کے لیے اصل ذمہ دار کون ہے؟ دراصل 6 مئی، 2024 کو قاہرہ میں مذاکرات کی شرائط کو مانتے ہوئے جنگ بندی کے لیے حماس تیار ہو گئی تھی۔ فلسطینی ذرائع کے حوالے سے ایسی بھی خبریں آئی ہیں کہ حماس طویل مدتی جنگ بندی کے لیے راضی ہو سکتی ہے جبکہ حماس کے مذاکرات کی شرائط ماننے پر شبہ تھا۔ لگتا یہی تھا کہ وہ شرائط نہیں مانے گی اور پھر یاہو حکومت کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ جنگ ختم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ حماس ہی ہے مگر حماس نے قاہرہ میں ہوئے مذاکرات کی شرائط کو قبول کر کے یاہو حکومت کے لیے عجیب سی صورتحال پیدا کر دی ہے۔ مجبوراً اسے شرائط کو قبول کرنے سے انکار کرنا پڑا ہے اور جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔

حماس کے مذاکرات کی شرائط مان لینے کی خبر آنے کے بعد بنیامن نیتن یاہو کی طرف سے پہلا ردعمل یہ آیا کہ 'حماس (جنگ بندی کے لیے) اسرائیل کے مطالبات کو پورا کرنے سے کوسوں دور ہے۔' اس کے باوجود ان کی حکومت کی طرف سے ایک وفد مذاکرات کے لیے روانہ کیا گیا۔ ظاہری سی بات ہے کہ یہ جھینپ مٹانے کی کوشش ہے۔ اس نے نئی شرائط کی بات کہی ہے۔ اس کی طرف سے یہ بات کہی گئی ہے کہ مصر اور قطر کی ثالثی میں قاہرہ میں جنگ بندی کی شرائط کے معاہدے کو اسرائیل مسترد کرتا ہے، یہ معاہدہ '(جنگ بندی سے متعلق) اہم اور بنیادی مطالبات سے مطابقت نہیں رکھتا،' اور یہ کہ وہ 'اب ایک قابل قبول معاہدے کے لیے مصر میں اپنا وفد بھیج رہا ہے۔' وہ قابل قبول معاہدہ کیسا ہوگا، اس پر کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے۔ کیا معاہدہ ایسا ہوگا کہ حماس اسے ماننے کے لیے تیار نہ ہو اور یہ بات کہی جا سکے کہ غزہ جنگ ختم نہ ہونے دینے کے لیے اصل ذمہ دار حماس ہے؟ لیکن یاہو حکومت کچھ بھی کہے، عالمی برادری کی سمجھ میں یہ بات آ چکی ہے کہ غزہ جنگ ختم کرنے میں کامیابی کیوں نہیں مل پا رہی ہے؟

بنیامن نیتن یاہو ایک مجبور لیڈر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اسرائیل کے تمام لوگ جنگ نہیں چاہتے، تمام اسرائیلی یہ نہیں چاہتے کہ انسانیت کے نام پر اسرائیل دنیا کے کئی ملکوں سے کٹ جائے مگر بنیامن نیتن یاہو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ غزہ جنگ اگر ختم ہو گئی، حالات معمول پر آ گئے تو سابق اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس سے کہیں زیادہ برے حالات کا سامنا انہیں کرنا پڑے گا۔ جنگ اگر حماس کو پوری طرح ختم کیے بغیر ختم ہوئی تو انہیں اور برے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے وہ ہر حال میں حماس کو جڑ سے ختم کر دینا چاہتے ہیں، غزہ کی کسی بھی جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ رپورٹ کے مطابق، نیتن یاہو کے حامی قوم پرست گروہوں نے رفح پر مکمل قبضے کا مطالبہ کیا ہے اور دھمکی دی ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو وہ حکومت کو گرا دیں گے جبکہ دوسری جانب جنگ بندی کا مطلب یہ ہوگا کہ اسرائیل کی جانب سے رفح پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں غزہ جنگ ختم کرنے کے لیے مذاکرات بھلے ہی ہوتے رہیں مگر ان کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں۔ بات کتنی بھی صحیح ہو، امریکی لیڈران اسرائیلی لیڈروں پر دباؤ بنا کر جنگ ختم کرانے کے لیے مذاکرات نہیں کرائیں گے، کیونکہ امریکہ میں سیاسی حصولیابیوں کے لیے اسرائیلی لیڈروں کی خوشنودی کی کیا اہمیت ہے، وہ جانتے ہیں۔ ■

یاہو حکومت کی طرف سے یہ بات کہی گئی ہے کہ مصر اور قطر کی ثالثی میں قاہرہ میں جنگ بندی کی شرائط کے معاہدے کو اسرائیل مسترد کرتا ہے، یہ معاہدہ '(جنگ بندی سے متعلق) اہم اور بنیادی مطالبات سے مطابقت نہیں رکھتا۔' اور یہ کہ وہ 'اب ایک قابل قبول معاہدے کے لیے مصر میں اپنا وفد بھیج رہا ہے۔' کیا یہ معاہدہ ایسا ہوگا کہ حماس اسے مسترد کر دے اور یہ بات کہی جا سکے کہ جنگ ختم نہ ہونے دینے کے لیے ذمہ دار حماس ہے؟